

ایمانیات

(۴)

(گزشتہ سے پیوستہ)

یہ دینونت آخری مرتبہ ساتویں صدی عیسوی میں برپا ہوئی۔ انسانی تاریخ کا یہ حیرت انگیز واقعہ اس لحاظ سے غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے کہ یہ تاریخ کی روشنی میں ہوا ہے۔ چنانچہ اس کے جزئیات تک بالکل محفوظ اور اس کے تمام مراحل گویا آنکھوں کے سامنے ہیں جنہیں کوئی شخص جب چاہے، تاریخ کے اوراق کو الٹ کر دیکھ سکتا ہے۔

اس کے لیے جس پیغمبر کا انتخاب کیا گیا، ان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ آپ سیرت و کردار میں ساری انسانیت سے بلند، نسل انسانی کے بہترین فرد اور آخری درجے میں ایک معیاری انسان تھے۔ آپ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی۔ اس سے پہلے آپ کی پوری زندگی اخلاقی لحاظ سے اس قدر ممتاز تھی کہ آپ کی قوم آپ کو صادق اور امین کے لقب سے پکارتی تھی۔ اس کا ایک ایک فرد یہ گواہی دینے کے لیے تیار تھا کہ آپ کی امانت و دیانت ہر شبے سے بالا ہے اور آپ کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے۔ نبوت کے بعد بھی آپ کی قوم کے لوگوں نے آپ کے متعلق ہر موقع پر یہی شہادت دی، دراصل حالیکہ اس وقت وہ آپ کی جان کے دشمن ہو چکے تھے۔

پہلی مرتبہ جب آپ کو وحی کا تجربہ ہوا اور آپ نے اپنی اہلیہ سے پریشانی کا اظہار کیا تو انھوں نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا: بخدا، اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا، اس لیے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں، آپ لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، آپ ناداروں کو کما کر دیتے ہیں، آپ مہمان نوازی کرتے ہیں، آپ آفت زدوں کی

مدد کرتے ہیں۔^{۱۱}

اپنی ذات کے لیے آپ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ یہاں تک کہ اپنے بدترین دشمنوں پر آخری فتح پانے کے بعد بھی آپ نے یہی کہا کہ جاؤ، تم سب آزاد ہو، میں تمہارے خلاف کوئی دارو گیر نہ کروں گا۔^{۱۲}

آپ کی زندگی بے غرضی کا بے مثل نمونہ تھی۔ قریش نے آپ کو مال و دولت، سرداری، بادشاہی، ہر چیز کی پیش کش کی، لیکن آپ نے ان میں سے کسی چیز کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہا کہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند بھی لا کر رکھ دیں تو میں اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہ ہوں گا۔^{۱۳}

مدینہ میں آپ کی حکومت قائم ہوئی، مگر آپ نہایت معمولی حالت میں رہے۔ آپ کے حالات میں اس قدر غیر معمولی تبدیلی کے باوجود آپ کے رہن سہن اور طرز زندگی میں کوئی ادنیٰ تبدیلی بھی نہیں آئی۔

غرض یہ کہ اپنی زندگی کے ہر دور اور ہر معاملے میں آپ ایک بے نظیر انسان تھے۔ ساری معلوم تاریخ میں کسی ایک شخص کا نام بھی نہیں لیا جاسکتا جس نے اخلاقیات کے جو آدرش بیان کیے ہوں، انھیں لوگوں نے اس کی زندگی میں اس طرح بہ تمام و کمال ظاہر ہوتے دیکھا ہو۔ دور حاضر کے ایک عالم اور مصنف کے الفاظ ہیں: آپ کی انسانیت اتنی بلند تھی کہ اگر آپ پیدا نہ ہوتے تو تاریخ کو لکھنا پڑتا کہ اس طرح کا انسان نہ کوئی پیدا ہوا ہے، نہ ہو سکتا ہے۔^{۱۴}

آپ پر جو کتاب نازل ہوئی، وہ بجائے خود ایک معجزہ ہے۔ تمام کتابوں میں یہ ایک ہی کتاب ہے جس نے اپنے مخاطبین کو چیلنج کیا کہ وہ اگر اپنے اس گمان میں سچے ہیں کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے، بلکہ محمد اسے اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کر رہے ہیں تو جس شان کا یہ کلام ہے، اس شان کی کوئی ایک سورت ہی بنا کر پیش کریں۔ ان کی قوم کا ایک فرد اگر ان کے بقول بغیر کسی علمی اور ادبی پس منظر کے یہ کام کر سکتا ہے تو انھیں بھی اس میں کوئی دقت نہ ہونی چاہیے۔

قرآن کا یہ دعویٰ ایک حیرت انگیز دعویٰ تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ قرآن ایک ایسا کلام ہے جس کے مانند کوئی کلام انسانی ذہن کے لیے تخلیق کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ فصاحت و بلاغت اور حسن بیان کے لحاظ سے قرآن کی غیر معمولی انفرادیت کا دعویٰ تھا۔ یہ اس بات کا دعویٰ تھا کہ وہ کوئی ایسا کلام پیش کریں جس میں قرآن ہی کی طرح خدا بولتا ہوا

۱۱ بخاری، رقم ۴۹۵۲۔ مسلم، رقم ۱۶۰۔

۱۲ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام ۴/۴۳۔

۱۳ السیرۃ النبویہ، ابن اسحاق ۱۱۔ السیرۃ النبویہ، ابن کثیر ۴/۴۷۔

۱۴ مذہب اور جدید چیلنج، وحید الدین خاں ۱۴۳۔

نظر آئے، جو ان حقائق کو واضح کرے جن کا واضح ہونا انسانیت کی شدید ترین ضرورت ہے اور وہ کسی انسان کے کلام سے کبھی واضح نہیں ہوئے، جو ان معاملات میں رہنمائی کرے جن میں رہنمائی کے لیے کوئی دوسرا ذریعہ سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ ایک ایسا کلام جس کے حق میں وجدان گواہی دے، علم و عقل کے مسلمات جس کی تصدیق کریں، جو ویران دلوں کو اس طرح سیراب کر دے، جس طرح مردہ زمین کو بارش سیراب کرتی ہے، جس میں وہی شان اور وہی تاثیر ہو جو قرآن کا پڑھنے والا، اگر اس کی زبان سے واقف ہو تو اس کے لفظ لفظ میں محسوس کرتا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ قرآن کے مخاطبین میں سے کوئی بھی اس چیلنج کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں کر سکا:

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ، وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ، إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ، فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا، وَلَنْ تَفْعَلُوا، فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ، أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ.

”اور جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے، اس کے بارے میں اگر تمہیں شبہ ہے تو (جاؤ اور) اس کے مانند ایک سورہ ہی بنالو اور (اس کے لیے) خدا کے سوا تمہارے جو زعماء ہیں، انہیں بھی بلاؤ، اگر تم (اپنے اس گمان میں) سچے ہو۔ پھر اگر نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن یہ لوگ

(البقرہ: ۲۴-۲۳)

(جنہیں یہ پوجتے ہیں)۔ وہ انہی منکروں کے لیے تیار

کی گئی ہے۔“

پھر یہی نہیں، اس کتاب کے مختلف اجزاء میں ہمیشہ تیس سال کے عرصے میں وقتاً فوقتاً لوگوں کے سامنے پیش کیے گئے، لیکن اس میں فکر و خیال کا کوئی ادنیٰ تناقض بھی تلاش نہیں کیا جاسکتا۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا انسان بھی ہو سکتا ہے جو سال ہا سال تک مختلف حالات میں اور مختلف موقعوں پر اس طرح کے متنوع موضوعات پر تقریریں کرتا رہے اور شروع سے آخر تک اس کی یہ تمام تقریریں جب مرتب کی جائیں تو ایک ایسے ہم رنگ اور متوافق مجموعہ کلام کی صورت اختیار کر لیں جس میں نہ خیالات کا کوئی تصادم ہو، نہ متکلم کے دل و دماغ میں پیدا ہونے والی کیفیات کی کوئی جھلک دکھائی دے، اور نہ رائے اور نقطہ نظر کی تبدیلی کے کوئی آثار کہیں دیکھے جاسکتے ہوں؟ یہ تھا قرآن ہی کی خصوصیت ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ؟ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا

”پھر کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اور

(حقیقت یہ ہے کہ) اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف

سے ہوتا تو اس میں وہ بڑے تضادات دیکھتے۔“

کَثِيرًا. (النساء: ۸۲)

استاذ امام لکھتے ہیں:

”... قرآن کی ہر بات اپنے اصول اور فروع میں اتنی مستحکم اور مربوط ہے کہ ریاضی اور اقلیدس کے فارمولے بھی اتنے مستحکم و مربوط نہیں ہو سکتے۔ وہ جن عقائد کی تعلیم دیتا ہے، وہ ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ و پیوستہ ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی الگ کر دیجیے تو پورا سلسلہ ہی درہم برہم ہو جائے۔ وہ جن عبادات و طاعات کا حکم دیتا ہے، وہ عقائد سے اس طرح پیدا ہوتی ہیں جس طرح تنے سے شاخیں پھوٹی ہیں۔ وہ جن اعمال و اخلاق کی تلقین کرتا ہے، وہ اپنے اصول سے اس طرح ظہور میں آتے ہیں جس طرح ایک شے سے اس کے قدرتی اور فطری لوازم ظہور میں آتے ہیں۔ اس کی مجموعی تعلیم سے زندگی کا جو نظام بنتا ہے، وہ ایک بنیان مرصوص کی شکل میں نمایاں ہوتا ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے اس طرح جڑی ہوئی ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی الگ کرنا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ پوری عمارت میں خلا پیدا ہو جائے۔“ (تذبرقرآن ۲/۳۴۷)

خدا کی یہ کتاب اس وقت بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ اس پر کم و بیش چودہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ اس عرصے میں دنیا کیا سے کیا ہو گئی۔ بنی آدم نے نظریہ و خیال کے کتنے بستے تراشے اور پھر خود ہی توڑ دیے۔ انفس و آفاق کے بارے میں انسان کے نظریات میں کتنی تبدیلیاں آئیں اور اس نے ترک و اختیار کے کتنے مرحلے طے کیے۔ وہ کس کس راہ سے گزرا اور بالآخر کہاں تک پہنچا، لیکن یہ کتاب جس میں بہت سی وہ چیزیں بھی بیان ہوئی ہیں جو ان پچھلی دو صدیوں میں علم و تحقیق کا خاص موضوع رہی ہیں، دنیا کے سارے لٹریچر میں بس ایک ہی کتاب ہے جو اس وقت بھی اسی طرح اٹل اور محکم ہے، جس طرح اب سے چودہ سو سال پہلے تھی۔ علم و عقل اس کے سامنے جس طرح اس وقت اعتراف و عجز کے لیے مجبور تھے، اسی طرح آج بھی ہیں۔ اس کا ہر بیان آج بھی پوری شان کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم ہے۔ دنیا اپنی حیرت انگیز علمی دریافتوں کے باوجود اس میں کسی ترمیم و تغیر کے لیے کوئی گنجائش پیدا نہیں کر سکی:

وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ، وَبِالْحَقِّ نَزَلَ، وَمَا
أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا۔
”اور ہم نے اس کو حق کے ساتھ اتارا ہے اور یہ حق
ہی کے ساتھ اترا ہے اور ہم نے تم کو، اے پیغمبر، صرف

(بنی اسرائیل ۱۰۵: ۱۰۵) اس لیے بھیجا ہے کہ (ماننے والوں کو) بشارت دو اور

(جو انکار کریں)، انھیں خبردار کر دو۔“

محمد رسول اللہ نے اسی کتاب کے ذریعے سے اپنی قوم کو خدا اور آخرت پر سچے ایمان کی دعوت دی، مگر قوم نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ آپ نے انھیں خبردار کیا کہ نبوت کے ساتھ آپ رسالت کے منصب پر بھی فائز ہوئے اور خدا کی عدالت بن کر آئے ہیں، لہذا جو قیامت صغریٰ قوم نوح، قوم لوط، قوم شعیب اور عاد و ثمود کے لیے برپا ہوئی

تھی، وہ آپ کی طرف سے اتمام حجت کے بعد آپ کی قوم کے لیے بھی برپا ہو جائے گی۔

یہ ایک غیر معمولی اعلان تھا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ آپ کے منکرین پر خدا کا عذاب آئے گا اور آپ کے ماننے والوں کو اس سرزمین میں لازماً غلبہ حاصل ہو جائے گا۔ یہ اعلان جب کیا گیا تو چند قریبی لوگوں کے سوا کوئی بھی آپ کا حامی نہ تھا۔ اس کے بعد بھی آپ کی جدوجہد میں بہت سے نازک مرحلے آئے۔ مخالفین کی ایذا رسانیوں سے بچنے کے لیے آپ کے ساتھیوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی، انھیں مکہ سے ہمیشہ کے لیے نکلنا پڑا، وہ دن بھی دیکھنا پڑے جب مدینہ پہنچنے کے بعد پورا عرب آپ کو اور آپ کی دعوت کو مٹا دینے کے درپے ہوا۔ قوت، سرمایہ، پروپیگنڈا اور اندرونی سازشیں، سب رو بہ عمل ہو گئیں۔ ہر لمحے یہ محسوس ہوتا تھا کہ چاروں طرف پھیلے ہوئے آپ کے دشمن آپ کو اچک لے جائیں گے۔ ان حالات میں یہ بالکل ناقابل قیاس تھا کہ آپ ان لوگوں پر غالب آسکتے ہیں، لیکن قرآن نے ہر موقع پر اسی اعتماد اور قطعیت کے ساتھ فرمایا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، ان تمام مخالفتوں کے علی الرغم اللہ آپ کو غالب کر کے رہے گا: ^{۱۵}

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَهِهِمْ، وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ، وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ. هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ، وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ. (الصف ۸: ۹-۸)

”وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے اس نور کو اپنے منہوں کی پھونک سے بجھا دیں اور اللہ نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ وہ اپنے نور کا اتمام کر کے رہے گا، اگرچہ ان منکروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت یعنی دین حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے وہ (سرزمین عرب کے) تمام ادیان پر غالب کر دے، اگرچہ یہ مشرک اسے کتنا ہی ناپسند کریں۔“

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ. كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي، إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ. (الحج ۵۸: ۲۰-۲۱)

”یہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کر رہے ہیں، یہی ذلیل ہوں گے۔ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں غالب رہوں گا اور میرے رسول بھی۔ اس لیے کہ اللہ قوی ہے، وہ بڑا زبردست ہے۔“

۱۵۔ الانعام ۶: ۵۹، ۶۷، ۱۵۸۔ یونس ۱۰: ۱۳، ۱۰۳۔ ہود ۸: ۸۔ الرعد ۱۳: ۴۰، ۴۱۔ بنی اسرائیل ۱۷: ۷۷۔ الکہف ۱۸: ۵۷، ۵۸۔ النمل ۲۷: ۷۷۔ الصافات ۳۷: ۱۷۱، ۱۷۳۔ المؤمن ۴۰: ۵۱، ۷۷۔ الزخرف ۴۳: ۴۱، ۴۲۔ الاحقاف ۴۶: ۳۵۔ الفتح ۲۸: ۲۲۔ القمر ۵۴: ۵۳، ۵۵۔ الليل ۹۲: ۲۱۔ الضحیٰ ۹۳: ۵۔ الم نشرح ۹۴: ۶۔

آپ کی بعثت جن لوگوں میں ہوئی، بیت اللہ ان کی سیادت کا نشان تھا۔ وہ اس کے متولی تھے۔ ام القریٰ مکہ اور اس کے نواح میں جو اثر و رسوخ انھیں حاصل تھا، اس کی بنا پر کوئی شخص یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آپ ایک دن اس کی تولیت سے انھیں معزول کر دیں گے اور قریش کی پوری قیادت ہلاک ہو جائے گی، لیکن عین اس وقت، جب وہ آپ کو مکے سے نکالنے کے درپے تھے، قرآن نے اعلان کیا:

إِنَّا أَعْطَيْنَكَ الْكَوْثَرَ، فَصَلِّ لِرَبِّكَ
وَأَنْحَرْ، إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ.

”ہم نے یہ خیر کثیر، (اپنا یہ گھر) تمہیں عطا کر دیا ہے، (اے پیغمبر)، اس لیے تم (اس میں اب) اپنے پروردگار ہی کی نماز پڑھنا اور اُسی کے لیے قربانی کرنا۔ (الکوثر ۱: ۱-۳)

اس میں شبہ نہیں کہ تمہارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے، اُس کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔“

پھر اس اجمال کو قرآن نے کھول دیا اور آپ کی دعوت کے سب سے بڑے دشمن ابولہب کا نام لے کر فرمایا:

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ، مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ، سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ، وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ، فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ. (الہب ۱: ۱-۵)

ابولہب کے بازو ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہوا۔ اس کا مال ہی اس کے کام آیا اور نہ وہ (خیر) جو اُس نے کمایا۔ یہ (شعلہ رو) اب زیادہ دن نہ گزریں گے کہ شعلہ زن آگ میں پڑے گا اور (اس کے ساتھ) اُس کی بیوی بھی۔ اس طرح کہ (دوزخ میں) وہ (اپنے لیے) ایندھن ڈھور ہی ہوگی، (لوٹڈیوں کی طرح) اُس کے گلے میں بیٹی ہوئی رسی ہوگی۔“

اس کے بعد کیا ہونے والا ہے؟ قرآن نے ایک ایک مرحلے کو اس صراحت کے ساتھ بیان کیا کہ اللہ کی مدد آئے گی، مکہ فتح ہوگا اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ آپ کی قوم کے لوگ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں:

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ، وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ، إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا. (النصر ۱: ۱-۳)

”اللہ کی مدد اور وہ فتح جب آجائے، (اے پیغمبر، جس کا وعدہ ہم نے تم سے کیا ہے) اور تم لوگوں کو جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہوتے دیکھ لو تو اپنے پروردگار کی تسبیح کرو اس کی حمد کے ساتھ اور اس سے

معافی چاہو، (اس لیے کہ) وہ بڑا ہی معاف کرنے والا ہے۔“

پھر ایک موقع پر اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ فرمایا:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ، وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ، وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا، يَعْبُدُونَنِي، لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا، وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ، فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ. (النور: ۵۵)

”تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے، ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اُن کو وہ اس ملک میں لازماً اقتدار عطا فرمائے گا، جس طرح اس نے اُن لوگوں کو اقتدار عطا فرمایا جو ان سے پہلے گزرے اور اُن کے اس دین کو (یہاں) مضبوطی سے قائم کر دے گا جو اُس نے اُن کے لیے پسند فرمایا اور جس خوف کی حالت میں وہ اس وقت ہیں، اسے امن میں بدل دے گا۔ وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرے ساتھ شریک نہ کریں گے، اور جو اس کے بعد بھی منکر ہوں گے، وہی ہیں جو نافرمان ٹھہریں گے۔“

یہ کسی انسان کے الفاظ نہیں تھے کہ ابدی حسرتوں کے ساتھ فضا میں تحلیل ہو جاتے۔ یہ خدا کے الفاظ تھے جو اس کے پیغمبر کی زبان پر جاری ہوئے، اس لیے تھوڑے ہی دنوں میں تاریخ بن گئے، ایک ایسی تاریخ جس کی کوئی مثال دنیا کی تاریخ سے پیش نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ خدا کی نصرت آئی، مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم ہوئی، بدر کا معرکہ ہوا اور قریش کی قیادت میں آپ کی دعوت کے تمام معاندین اس میں ہلاک ہو گئے۔ ابولہب نے اس عذاب سے بچنے کی کوشش کی اور جنگ میں شامل نہیں ہوا، لیکن بدر کی شکست کے صرف سات دن بعد قرآن کی پیشین گوئی پوری ہو گئی اور بنی ہاشم کے اس سردار کا عدسے کی بیماری سے اس طرح خاتمہ ہوا کہ مرنے کے بعد تین دن تک کوئی اس کے پاس نہ آیا، یہاں تک کہ اس کی لاش سڑ گئی اور بدبو پھیلنے لگی۔ آخر کار ایک گڑھا کھدوایا گیا اور لکڑیوں سے دھکیل کر اس کی لاش اس میں پھینک دی گئی۔ مکہ فتح ہوا، بیت اللہ کی تولیت مسلمانوں کو منتقل ہو گئی، خدا

۱۶ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام ۲/۱۹۷۔

۱۷ السیرۃ النبویہ، ابن کثیر ۲/۴۷۹۔

کے اس گھر کو بتوں سے پاک کر کے نماز اور قربانی، دونوں اللہ کے لیے خاص کر دی گئیں، پورا عرب مسلمان ہو گیا اور ہر شخص نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ قرآن کی تعبیر کے عین مطابق لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ چنانچہ دین کو ممکن حاصل ہوا، خدا کی شریعت نافذ ہو گئی اور کسی دوسرے دین کا اقتدار سرزمین عرب میں باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد بھی جو لوگ انکار پر قائم رہے، ان کے متعلق ۹ ہجری میں حج اکبر کے موقع پر اعلان کر دیا گیا کہ حرام مہینے گزر جانے کے بعد وہ عذاب کی زد میں ہوں گے اور مسلمان انھیں جہاں پائیں گے، قتل کر دیں گے۔^{۱۸} یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد آپ کے جانشینوں نے چند ہی برسوں میں ان سب سلطنتوں کا تختہ بھی الٹ دیا جن کے حکمرانوں کو اپنی وفات سے پہلے آپ نے خط لکھ کر اسلام کی دعوت دی تھی اور صاف بتا دیا تھا کہ وہ سلامتی چاہتے ہیں تو آپ کی دعوت قبول کر لیں، اس لیے کہ خدا کے رسول کی طرف سے اتمام حجت کے بعد انھیں لازماً مغلوب ہو کر رہنا ہے، ان کی سلطنت اب قائم نہیں رہ سکتی۔ ان میں روما و ایران کی وہ عظیم سلطنتیں بھی تھیں جن کی باہمی کشمکش میں ایک موقع پر قرآن نے پیشین گوئی کی تھی کہ رومی اگرچہ اس وقت مغلوب ہو گئے ہیں، مگر عنقریب وہ ایرانیوں پر غلبہ پالیں گے اور قرآن کی یہ حیرت انگیز پیشین گوئی بھی اس کی دوسری تمام پیشین گوئیوں کی طرح حرف بہ حرف پوری ہو گئی تھی۔^{۱۹}

دین کی حجت اسی دینونت سے پورے عالم پر قائم ہوئی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد اتمام حجت ہے۔ یہ مقصد جب اس دینونت کے ظہور سے عالمی سطح پر پورا ہو گیا تو اعلان کیا گیا کہ نبوت ختم ہو گئی اور قرآن کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے۔^{۲۰} یہ کتاب الہی اسی دینونت کی سرگزشت ہے اور اپنے ماننے والوں سے جس ایمان کا تقاضا کرتی ہے، وہ درج ذیل پانچ چیزوں سے عبارت ہے:

- ۱۔ اللہ پر ایمان
- ۲۔ فرشتوں پر ایمان
- ۳۔ نبیوں پر ایمان

۱۸ التوبہ ۹:۵۔

۱۹ الروم ۳۰:۱۔۶۔

۲۰ الاحزاب ۳۳:۴۰۔

۲۱ الحج ۱۵:۹۔

۴۔ کتابوں پر ایمان

۵۔ روز جزا پر ایمان

ارشاد فرمایا ہے:

اَمِنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ، كُلُّ اَمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ
وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ، لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ
رُّسُلِهِ، وَقَالُوا: سَمِعْنَا وَاطَعْنَا، غُفِرَانَكَ
رَبَّنَا، وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ. (البقرہ ۲: ۲۸۵)

”ہمارے پیغمبر نے تو اس چیز کو مان لیا جو اس کے
پروردگار کی طرف سے اس پر نازل کی گئی، اور اُس کے
ماننے والوں نے بھی۔ یہ سب اللہ پر ایمان لائے، اور
اُس کے فرشتوں اور اُس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں
پر ایمان لائے۔ (ان کا اقرار ہے کہ) ہم اللہ کے
پیغمبروں میں سے کسی کے مابین کوئی فرق نہیں کرتے
اور انھوں نے کہہ دیا ہے کہ ہم نے سنا اور سر اطاعت
جھکا دیا۔ پروردگار، ہم تیری مغفرت چاہتے ہیں اور
(جانتے ہیں کہ) ہمیں لوٹ کر تیرے ہی حضور میں
پہنچنا ہے۔“

ہم یہاں ان کی وضاحت کریں گے، لیکن اس سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ایمان کی حقیقت بھی واضح کر دی جائے۔
[باقی]